سلسلہ مطبوعات ۴۳

دینِ حق کی جامعیت
اور
برصغیر کا سامراجی نظامِ تعلیم

(ایک تقابلی جائزہ)

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی دستیاب مطبوعات

☆ شریعت، طریقت اور سیاست	مولانا محمد الیاس دہلوی، مولانا قاری محمد طیب قاسمی
☆ دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر و قیمت	مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
☆ قرآنی اصولِ معاشیات	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی
☆ ولی اللہی فکر کا تاریخی تسلسل	مولانا عبید اللہ سندھی
☆ اجتماعی مسائل کا ولی اللہی حل	مقبول عالم بی اے
☆ دین کے شعوری تقاضے	شوکت اللہ انصاری
☆ جدوجہد اور نوجوان	شیخ الہند مولانا محمود حسن
☆ اسلام کا اقتصادی نظام	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی
☆ ولی اللہی تحریک	مولانا سید محمد میاں
☆ امام شاہ عبدالعزیز	مولانا سید محمد میاں
☆ استعماری مظالم اور ملی تقاضے	شیخ الہند مولانا محمود حسن
☆ نظام کیا ہے؟	مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
☆ تبدیلی نظام کا ولی اللہی نظریہ	مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
☆ تبدیلی نظام کیوں اور کیسے؟	مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
☆ فرد اور اجتماعیت	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی
☆ عبادت و خلافت	مولانا قاری محمد طیب قاسمی
☆ مولانا محمد الیاس دہلوی کا تصورِ دین	مفتی سعید الرحمٰن
☆ غلبہ دین اور عبادات	چوہدری افضل حق مرحوم
☆ ثناءِ خداوندی	چوہدری افضل حق مرحوم
☆ صدائے فکر و عمل	چوہدری افضل حق مرحوم
☆ ارکانِ اسلام	چوہدری افضل حق مرحوم

www.rahimia.org

پوسٹ بکس نمبر 938۔ پوسٹ آفس گلگشت، ملتان

دینِ حق کی جامعیت

اور

برصغیر کا سامراجی نظامِ تعلیم

(ایک تقابلی جائزہ)

www.rahimia.org

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

زیرِ اہتمام

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، ملتان

نام پمفلٹ .... دینِ حق کی جامعیت اور برصغیر کا سامراجی نظامِ تعلیم

تصنیف .... مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

تسہیل .... ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

سلسلہ مطبوعات نمبر 43

سن اشاعت اوّل 1993ء

سن اشاعت دوم 2007ء

سن اشاعت سوم 2020ء

زیرِ اہتمام .... شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، ملتان

قیمت ....

www.rahimia.org

ملنے کا پتہ:

☆رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

PH:00-92-42-36307714 , 36369089

برائے خط وکتابت:

☆ پوسٹ بکس نمبر 938، پوسٹ آفس گلگشت، ملتان

تعارف

زیرِنظر خطبہ ’’دین حق کی جامعیت اور برصغیر کا سامراجی نظامِ تعلیم (ایک تقابلی جائزہ)‘‘ میں عربی اور فارسی اصطلاحات کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔ گریجوایٹ قاری کو اس خطبے سے استفادے میں دِقت کا سامنا تھا۔ ضرورت تھی کہ اسے عام فہم بنایا جائے۔ قافلہ ولی اللّٰہی کی ممتاز علمی و عملی شخصیت پروفیسر ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن نے بڑی عرق ریزی سے یہ مشکل حل کردی۔ آپ نے مشکل الفاظ کے معانی نہایت عمدہ طریقے سے بیان کر کے اس خطبے سے گریجوایٹ نوجوان کے استفادے کو آسان بنا دیا۔

فجزاہ اللّٰہ احسن الجزاء۔

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن اب اس خطبے کی اشاعت ثالث کا اعزاز حاصل کر رہا ہے۔

محمد ناصر

ناظم؛ شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، ملتان

23-09-2019

www.rahimia.org

فہرست عنوانات

عنوان	صفحہ نمبر
تعارف	3
حرفِ اوّل	7
خطبہ صدارت	8
کلماتِ تشکر	8
دین اسلام کی جامعیت اور ہمہ گیری	9
دین کی جامعیت آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں	10
سیرت طیبہ؛ انسانی زندگی کے لیے کامل نمونہ	11
مدبر سیاست	11
معلم اخلاق و معاشرت	11
سچے منصف اور قانون ساز	12
صدر ریاست	12
معلم قرآن	13
مربی ومزکی	13
صاحبِ حکمت	13
واعظ وخطیب	13
سپہ سالار	13
ماہر اقتصادیات	14
مبلغ داعی	14
مرشدِ کامل	14
طبیب ومعالج	14

www.rahimia.org

عنوان	صفحہ نمبر
حضورؐ کی سیرت کی جامعیت پر غیر مسلموں کی آرا	15
جماعت صحابہ کرامؓ کے کارناموں کی عمومیت و ہمہ گیریت	15
صحابہ کرامؓ نے بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب، نظام قائم کیا	16
دین اسلام کی تعلیمی اور تربیتی جامعیت	16
تعلیمی اور تربیتی جامعیت کا نتیجہ؛ دین کا بین الاقوامی غلبہ	17
قرآن و حدیث کے علوم کی شعبہ جاتی تدوین	18
علم عقائد و علم کلام	18
علم فقہ یعنی عبادات، معاشرت، سیاست اور معیشت کے قوانین	18
علم تصوف و اخلاق	19
اہم علوم کے اصول وقواعد	19
اسلامی نظامِ تعلیم کے مقاصد؛ خدا پرستی اور انسان دوستی	19
تعلیماتِ اسلامیہ کی درسی کتابیں اعلیٰ اَخلاق پیدا کرنے والی ہیں	20
سامراجی نظامِ تعلیم کے مقاصد و اَثرات	21
الحاد و دہریت (خدا کا انکار)	21
مادہ پرستی (روحانیت کے دشمن)	21
خودغرضی (معاشی لوٹ کھسوٹ)	21
نفاق و دغابازی	22
بے حیائی اور فضول خرچی	23
تنگ نظری و جاہلی تعصب	23
مذہب دشمنی	23

www.rahimia.org

صفحہ نمبر	عنوان
23	مقصدِ حیات؛ مادی ترقی
23	انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کا انکار
24	قطع رحمی (رشتہ داروں کی خبر گیری سے دشمنی)
24	تعیش پسند معاشی سوچ
24	قرآنِ حکیم مغربی دانش وروں کی نظر میں اور یورپ کا مذہبی تعصب
28	برطانوی تسلط سے پہلے ہندوستان کا نظامِ تعلیم
29	سامراج کی تباہ کن تعلیمی پالیسی
31	قومی دینی مدارس کے قیام کا پس منظر
32	برطانوی سامراجی نظام کی اسلام دشمنی
34	سامراج کے ہاتھوں برصغیر کی تباہ حالی
34	برطانوی سامراج کی معاشی لوٹ کھسوٹ
36	مدارسِ اسلامیہ کی مشکلات
36	قومی دینی نظامِ تعلیم کی خدمات
37	مدارس کے قدیم و جدید نصابِ تعلیم کا موازنہ
37	گریجوایٹ طبقے کے لیے تجویز
38	عربی زبان کی اہمیت
38	مدارسِ اسلامیہ کے طلبا کی معاشی حالت درست کرنا ضروری ہے
39	اعلیٰ علما تیار نہ ہونے کی وجہ
39	مدارسِ اسلامیہ کے تعلیم یافتہ کے لیے تجاویز
41	اختتامیہ
42	حوالہ جات وحواشی

www.rahimia.org

حرف اول

برصغیر پاک و ہند (جو درحقیقت برعظیم کہلانے کا مستحق ہے) میں انگریز کی آمد سے پہلے ایک قومی نظام رائج تھا، جس کے تحت بلاامتیاز ہر مذہب سے منسلک افراد نے سکھ چین کے ساتھ اپنی زندگی بسر کی۔ اس قومی نظام کے پس منظر میں ایک اعلیٰ دینی سوچ کی کارفرمائی تھی۔ اور جب یہ نظام فرسودگی سے دوچار ہوا تو اس کی تبدیلی کے لیے قومی دینی انقلابی جدوجہد کا آغاز ہوا ہی تھا کہ اس خطے پر ایک قیامت گزر گئی اور انگریز سامراج نے وحشت و بربریت کا نظام مسلط کر کے یہاں کی تہذیب وتمدن سے لے کر فکر ونظریہ تک سب شعبہ ہائے زندگی کو اپنے منحوس پاؤں تلے روند ڈالا۔ اس سراسیمگی اور خوف کے ماحول میں علمائے حق نے اپنی قوم وملت کے لیے لازوال قربانیوں کی ایک نئی تاریخ رقم کر کے آزادی کا چراغ جلایا، جس کی روشنی میں اس خطے کے باشندوں نے حصول آزادی کا سفر شروع کیا جو متعدد کامیابیوں سے ہم کنار ہوا، تاہم مکمل آزادی کے حصول کا سفر جاری ہے۔

زیرِنظر خطبہ اس باشعور اجتماعیت کے اہم رکن اور اسیر مالٹا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے تعلیم کے موضوع پر دیا، جس میں انھوں نے سامراجی حکمت عملی کا گہرائی سے تجزیہ کیا اور قومی دینی نظام کا پس منظر اُجاگر کیا جو لائق مطالعہ ہے۔ واضح رہے کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کی پچاس سالہ گولڈن جوبلی کا جوشان دار اجلاس مارچ/ 1937ء میں بہ مقام علی گڑھ منعقد ہوا۔ وہ مختلف شعبوں پر تقسیم کر دیا گیا اور ہر شعبہ کا ایک علاحدہ صدر اور مستقل سیکرٹری تھا۔ من جملہ ان شعبوں کے ایک شعبہ مدارس اسلامیہ تھا، جس کے صدر مولانا حاجی سید حسین احمد مدنی اور سیکرٹری مولانا حاجی ابوبکر محمد شیث صاحب ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی تھے۔ اس شعبہ کا پہلا اجلاس 28/ مارچ 1937ء کو بوقت 8 بجے صبح ''اسٹریچی ہال'' میں منعقد ہوا اور دوسرا 29/ مارچ کو مسلم یونیورسٹی کی مسجد میں ہوا۔

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے بہ حیثیت صدر شعبہ مدارس اسلامیہ اسٹریچی ہال میں جو خطبہ پڑھا' وہ ذیل میں شائع کیا جاتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

چیئرمین؛ شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

www.rahimia.org

خطبۂ صدارت

خطبۂ مسنونہ

الحمد للّٰه، نحمدهٗ، و نستعينهٗ، و نستغفرهٗ، و نؤمن به، و نتوكّل عليه، و نعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا، و من سيّئات أعمالنا. من يهده اللّٰه فلا مضلّ لهٗ، و من يضلله فلا هادى له. و نشهد أنّ سيّدنا و مولانا محمّداً عبدهٗ، و رسولهٗ صلّى اللّٰه عليه وسلّم، وعلى صحبهٖ، و بارك، و سلّم.

کلماتِ تشکر

امّا بعد! معزز حاضرین، اکابرینِ امت، محترم بھائیو! سب سے پہلے میں آپ کی ذرّہ نوازی اور مربیانہ الطاف وعنایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھ جیسے ایک معمولی طالب ِعلم کو شعبۂ مدارسِ اسلامیہ کا صدر منتخب کیا گیا۔ واقعیت کی حیثیت (حقیقت کے لحاظ) سے یہ امر اگرچہ غیرمناسب اور ناموزوں تھا، مگر آپ کے اَخلاقِ کریمانہ اور عنایاتِ مربیانہ (سرپرستانہ توجہات) کا تقاضا ضرور تھا کہ قوم کے ادنیٰ ترین غلاموں کی ہمت افزائی کی جائے۔ میں اپنی بے بضاعتی (بے سروسامانی) اور عدیم الفرصتی (فرصت نہ ہونے) کی وَجہ سے سمجھتا تھا کہ ہرگز ہرگز میں ایسے اہم منصب کا مستحق نہیں ہوں۔ اس لیے اپنے اعذار (عذر کی جمع) کو پیش کرکے اپنے محترم اور عظیم بزرگ مولانا ابوبکر (محمد شیث) صاحب ناظم دینیات وسیکرٹری شعبۂ مدارسِ اسلامیہ سے بار بار ملتجی (درخواست گزار) ہوا کہ وہ مجھ کو ایسے اہم منصب سے سبکدوش (ذمہ داری سے فارغ) فرمائیں اور میری عدیم الفرصتی اور نالائقی کو ملاحظہ فرماتے ہوئے نظرِعفو وکرم کو کام میں لائیں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ مولانا موصوف نے میری التجاؤں پر التفات نہ فرمایا اور کشاں کشاں (خوشی

خوشی) مجھ کو آپ حضرات کی بارگاہِ عالیہ میں پہنچا دیا۔ بہرحال میں تہہ دل سے مولانا دامت برکاتہم اور آپ بزرگوں کا شکرگزار ہوں۔ اور اپنی بےعلمی اور ناقابلیت کے اقرار کے ساتھ چند معروضات پیش کرنے کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

فإن كان صواباً، فمن الله، و توفيقه، و إن كان باطلاً، فمنّي، و من الشيطان.

(اگر یہ درست ہے تو اللہ کی جانب سے اور اس کی توفیق سے ہے
اور اگر باطل ہے تو میرے نفس اور شیطان کی طرف منسوب ہے۔)

دین اسلام کی جامعیت اور ہمہ گیری

میرے محترم بزرگو! آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ (**علیٰ صاحبها الصّلوٰة و التّحيّة**) جس طرح آخرت کی فلاح ونجاح (کامیابی) کے ذرائع اور اسباب کو بتلاتی ہیں، اسی طرح اس دنیاوی زندگی کی فلاح و بہبود پر بھی پوری روشنی ڈالتی ہیں۔ وہ جس طرح روحانیت اور مَلَکیّت (ماورائے مادیت) کی دشوار گزار گھاٹیوں میں رہنمائی کرتی ہیں، اُسی طرح مادیت اور بہیمیت (حیوانیت) کی اصلاح اور درستی کی راہوں میں بھی مشعلِ ہدایت بنتی ہیں۔ وہ جس طرح مخلوق کو خالق اور اس کی رضا وخوشنودی سے دوچار کرتی ہیں، اسی طرح مخلوقات کے آپس کے تعلقات کو بھی نہایت استوار اور مہذب بناتی ہیں۔ وہ جس طرح شخصی اور انفرادی اَخلاق و اعمال کی درستی کی ذمہ داری عائد کرتی ہیں، اسی طرح اجتماعی زندگی اور سیاسی ترقیات کی بھی کفالت کرتی ہیں۔ وہ اگر ایک طرف تدبیرِ منزل (خاندانی نظام) اور سیاسیاتِ مدنیہ (ملکی سیاسی و معاشی نظام) کی اصلاحی اسکیم پیش کرتی ہیں تو دوسری طرف **اعتقاداتِ حقّہ** (صحیح عقائد) اور **حِکَمِ بالغہ** (بہترین حکمتوں) کی طرف بھی ہدایت کرتی ہیں۔ انھوں نے اگر اوہام وشکوک اور عقائدِ باطلہ کا قلع اور قمع (بنیاد سے اکھاڑ دیا) ہے تو دوسری طرف بے کاری، گداگری، آرام طلبی، اِسراف (فضول خرچی)، ظلم وستم، کمزوروں اور ضعفاء کو ستانے وغیرہ کو بھی جڑ سے کھود ڈالا ہے۔ غرض یہ ہے کہ عالَمِ انسانی کی روحانی اور جسمانی زندگی اور ترقی کی جس قدر ضرورتیں

www.rahimia.org

اور حوائج (حاجات) تھیں، خواہ اِس عالَم (دنیا) سے تعلق رکھتی ہوں یا آئندہ پیش آنے والے عالَم (آخرت) سے وابستہ ہوں، سب ہی کے لیے ان (دینی تعلیمات) میں مکمل ہدایات اور رہنمائی موجود ہے۔

دین کی جامعیت آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں

قرآن کو اُٹھا کر دیکھیے ! اگر ایک جگہ:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (1)

(اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو)

کا حکم ہے تو دوسری جگہ:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ الآیہ (2)

(اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے)

کا ارشاد ہے۔ اگر کہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (3)

(اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی بہت سی یاد)

فرمایا گیا ہے تو دوسری جگہ:

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ (4)

(سو ملاپ کرا دو اپنے دو بھائیوں میں)

اور باہمی احترام وعزت قائم رکھنے کے لیے حکم دیا:

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (5)

(اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کے)

وغیرہ آدابِ معاشرت کو ذکر کیا گیا ہے۔

اگر کہیں حج، روزہ اور زکوٰۃ کے احکام ذکر کیے گئے ہیں تو دوسری جگہ جہاں بانی (نظامِ حکومت) اور حدود و قصاص، تعزیر (مختلف سزائیں) و نکاح، طلاق و خلع، جنگ و صلح کے قوانین بتلائے گئے ہیں۔

www.rahimia.org

اگر کہیں اعمال و اموال کی اصلاحی تدبیریں، زہد و ریاضت کی عمدہ صورتیں بتائی گئی ہیں تو دوسری جگہ عقائدِ حقہ اور علومِ صادقہ (سچے علوم) کی تعلیمات موجود ہیں۔

اگر کہیں اُممِ ماضیہ (گزشتہ قوموں) اور اقوامِ عالم کی تاریخ پیش کر کے عبرت دلائی گئی ہے تو دوسری جگہ زمینوں اور اقالیم (خطوں) کی جغرافیائی حالتوں اور ان کی آیات (نشانیوں) وغیرہ کو نظرِ فکر و غور سے دیکھنے کا ارشاد کیا گیا ہے۔

اگر ایک جگہ فلکیات اور نجوم و کواکب (ستاروں اور سیاروں) کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تو دوسری جگہ **کائنات الجوّ** (کائنات کا خلائی نظام) اور نفسیات (Psychology) کو پیش کیا گیا ہے۔

اگر ایک جگہ فلسفۂ جمادات، نباتات، حیوانات، عُنصر یات (مادیات) طبیعیات و ما بعد الطبیعیات کو سمجھایا گیا ہے تو دوسری جگہ حکمتِ اَبدان و نفوس، روحانیاتِ عالم ملکوت (عالم بالا) **مافوق الحِسِّیّات** (ظاہری حواس سے بالاتر اُمور) وغیرہ کو روشن کیا گیا ہے۔

الحاصل! مذہبِ اسلام اور اس کے علوم و تعلیمات ایک جامع اور مکمل روشنی ہے، جس میں ہر قسم کی اصلاح اور ہر نوع کی ہدایتیں موجود ہیں۔ وہ ان مذاہب کی طرح سے ناقص مذہب نہیں ہے، جس میں انسانی نجات کے ایک پہلو کا **تکفُّل** (پیشِ نظر رکھا) گیا ہو اور دوسرے پہلوؤں سے اِعراض (بے رُخی) اور بے توجہی برتی گئی ہو۔

سیرتِ طیبہ انسانی زندگی کے لیے کامل نمونہ

جنابِ رسول اللہ ﷺ کی تئیس سالہ (نبوت کی) زندگی اور تعلیمات کو ملاحظہ فرمایئے کہ کس قدر جامع واقع ہوئی ہے۔

مدبر سیاست

اگر ایک طرف آپؐ اصولِ خلافت و سلطنت، جمہوریت اور آدابِ حکمرانی، تدابیر مملکت، حل و عقد (ریاستی اُمور کا بندوبست)، صلح و جنگ وغیرہ عمل میں لاتے اور تعلیم فرماتے ہیں۔

معلم اخلاق و معاشرت

تو دوسری طرف سیاستِ منزلی (عائلی اُمور کا انتظام)، تہذیبِ اَخلاق، آراستگیٔ

آداب، خاندانی معاملات، گھرانوں کے آپس کے تعلقات کو اعلیٰ پیمانے پر عمل میں لاتے ہوئے لوگوں کو سکھلاتے ہیں۔

سچے منصف اور قانون ساز

اگر کبھی آں جناب علیہ الصلوٰۃ والسلام مسندِ قضا (عدالتی منصب) اور کرسیٔ انصاف و فصل خصومات (مقدمات کا فیصلہ کرنے)، قطع منازعات (جھگڑے نمٹانے) پر جلوہ افروز ہوتے ہوئے جج اور چیف جسٹس کے فرائض کو انجام دیتے اور اُمت کو اُن کا درس دیتے ہوئے اُن کے دستور العمل کی تعلیم کرتے ہیں تو کبھی قواعدِ تقنین (قانون سازی کے اصول)، استخراجِ مسائل (مسائل کے حل کے ضمنی قواعد)، اِفتائے واقعات (درپیش اُمور میں رہنمائی)، استنباطِ اَحکام (احکامات دریافت کرنا) عمل میں لاتے ہوئے لوگوں کو لاء (Law) اور قانون کا ماہر بناتے ہیں۔

صدرِ ریاست

اگر کبھی آپ ؐ کرسیٔ احتساب پر بیٹھے ہوئے حدود و قصاص، تعزیر و حبس (قید)، ضربِ حدود (قرآنی سزاؤں کے اجرا) اور تادیب وغیرہ مجرموں، قانون کو ہاتھ میں لینے والوں، اہلِ فسق و فجور (فطری اور قانونی حدود توڑنے والوں)، اصحابِ بغی و عدوان (ظلم پیشہ افراد)، اربابِ منکرات (ناپسندیدہ سرگرمیوں کے عادی)، قانون شکنی کرنے والوں وغیرہ پر جاری فرماتے ہوئے طُرقِ سیاست (سیاسی طریقے)، بدعات (کے انسداد)، قواعد ِاحتساب، ذرائع سدِ منکرات (ناپسندیدہ سرگرمیوں کا انسداد)، قوانینِ روک تھام، مداخلِ شہوات وغضب، تعدی وغصب (حرص، غصہ، ظلم وزیادتی کے بنیادی اسباب کے سدِ باب) تعلیم دیتے ہیں۔

معلمِ قرآن

تو کبھی خوش الحانی اور عمدہ طریقے پر قرآن خوانی کرتے ہوئے قلوب و ارواح کو زندہ کرتے اور قواعدِ قرأت و تجوید، مخارجِ حروف (حروف تہجی کو درست جگہ سے ظاہر کرنے) اور صفاتِ اِظہار و اِخفا (الفاظ کے پڑھنے کے درست انداز) وغیرہ کی تعلیم دیتے ہیں۔

www.rahimia.org

مربی ومزکی

اور اگر کبھی اوراد (وظائف) وادعیہ (دعائیں)، نوافل و روزہ، شب بیداری اور تہجد گزاری، ذکر اذکار، اعمالِ روحانی وغیرہ میں مستغرق (مکمل مشغول) ہوتے ہوئے انوارِ ربانیہ (خدائی انوارات) کو جلوہ افروز (واضح کرتے) اور ملائکہ روحانیہ (روحانی ملکات) کو جذب کرتے اور مادّی ظلمات (اندھیروں) اور نفسانی کثافتوں (آلودگیوں) کو دور کرتے ہوئے حاضرینِ بارگاہ کی غفلتوں اور پراگندگی کو دفع کرتے ہیں، ان کو طرقِ ذکر وفکر وغیرہ کی تعلیم اور ان کا تصفیہ (سنوارنے) اور تزکیہ کرتے (دل مانجھتے) ہوئے پائے جاتے ہیں۔

صاحبِ حکمت

تو کبھی اسرارِ (راز) ذات وصفات وافعال واحکامِ الٰہیہ اور بے غایت و بے نہایت (لاتعداد اور بے شمار) علوم وحقائق کو بیان فرماتے ہوئے لوگوں کو علومِ حقائق اور حِکَمِ حقیقیہ (حقیقی حکمتوں) کی تعلیم کرتے ہیں۔

واعظ وخطیب

اگر کبھی آپ ﷺ ممبر وعظ ونصیحت پر جلوہ فرماتے ہوئے دلوں اور روحوں میں زلزلہ (ولولہ) ڈالتے ہیں اور ترغیب (آمادہ کرنے) اور ترہیب (خبردار) کے میدان میں اُتر کر دوزخ کے عذاب، قبر اور حشر ونشر کے ہول ناک مناظر، حساب اور میزان و پل صراط کے جاں گداز مصائب اور مشکلات، جنت کی اعلیٰ درجے کی نعمتیں اور اس کے مقاماتِ عالیہ اور ان کے ذرائع اور اسباب کو ذکر کر کے کافروں کی زُنّاروں (فرسودہ مذہبی علامتوں) کو توڑ ڈالتے، نافرمانوں اور عاصیوں (گناہ گاروں) سے توبہ کراتے، سخت دلوں کو موم بناتے اور مادّی دنیا اور اس کے (حرص وہوس کے) تعلقات سے زاہد اور متنفر کرتے ہوئے حق شناسی کی تعلیم وتلقین کے میدان میں اُترے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

سپہ سالار

تو کبھی میادین (میدان کی جمع) جنگِ اُحد، بدر، حُنین، تبوک وغیرہ میں اُتر کر مورچہ بندی، صف آرائی، ترتیبِ افواج، قتل وقتال، فتح وشکست وغیرہ خدماتِ سپہ سالاری و

www.rahimia.org

جرنیلی انجام دیتے ہوئے لوگوں کو مکمل فوجی تعلیم دیتے ہیں۔

ماہرِ اقتصادیات

اگر کبھی آپ ﷺ ماہرِ اقتصادیات اور استادِ معاشیات بن کر تجارات، صناعات (فنون و ہنر)، کسبِ معیشت، زراعت (کھیتی باڑی) وغیرہ کی تعلیمات اور ترغیبات دیتے ہوئے اقتصادیات کی تلقین، بے کاری اور گداگری کی قباحتیں ذکر فرماتے اور بیع و شرا (خرید وفروخت)، مزارعت (زمین کی آبادی) اور مساقات (باغات کی آبادی)، سلم (پیشگی رقم پر مقررہ مدت کے بعد خریداری) و اِجارہ (کرایہ داری)، رہن (گروی) اور حوالہ (قرض کی ادائیگی میں تعاون کا نظام)، کفالت (ذمہ داری میں شراکت) اور شرکت (مشترکہ کاروبار)، وقف (جائیداد کو عوامی مفاد میں دینا) اور ودیعت (امانت کا نظام) وغیرہ ضروری معاملات کے قوانین بناتے اور تعلیم دیتے ہیں۔

مبلغ و داعی

تو کبھی فرائض رسالت و سفارت انجام دیتے ہوئے تبلیغ اور دعوت فرماتے اور دنیا کی قوموں اور بادشاہتوں کو حق پرستی اور حقیقی اصلاح اور نجات کی طرف بلاتے ہیں۔ لوگوں کو حسبِ استعداد و قابلیت' اطرافِ عالم (دنیا کے گوشوں) کی طرف بھیجتے ہیں۔ اقوامِ عالم کے قلوب کو مائل کرنے، ان کی ارواح کو مسخر (جذب) کرنے کی عمدہ سے عمدہ تدبیریں عمل میں لاتے ہیں۔

مرشدِ کامل

اگر کبھی مرشدِ کامل بن کر ارشاد و تلقین (رہنمائی)، تزکیہ (دلوں کی صفائی) اور تجلیہ (دلوں کو روشن کرنے) عمل میں لاتے ہوئے اپنی روحانی طاقت اور توجہ قلبی سے لوگوں کے دلوں اور روحوں سے نفسانی کدورتوں اور مادّی آلائشوں کو دور کرتے اور اس کی تعلیم دیتے ہیں۔

طبیب و معالج

تو کبھی جسمانی امراض اور ابدانی اسقام (بدنی بیماریوں) کے (علاج) معالجہ کرنے

والے خواص، عقاقیر و ادویہ اور امراض کی تشخیص کرنے والے اور اس کی تعلیم دینے والے نظر آتے ہیں۔

الغرض! جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ زندگی اور آپؐ کی تعلیمات پر اگر غور سے نظر ڈالی جائے اور آپؐ کی تعلیمات پر توجہ کی جائے تو اس قدر جامع اور کامل نظر آئے گی کہ جس کی نظیر کسی رہبر اور کسی ہادی میں ملنی دُشوار بلکہ محال ہے۔

حضور ﷺ کی سیرت کی جامعیت پر غیر مسلموں کی آرا

آپ ﷺ کی صداقت اور کمالات کے متعلق جو کچھ غیر مسلموں نے لکھا ہے اور جو کچھ آپ کی سچی اور بے لوث مکمل تعلیمات پر مخالفین نے رائے زنی کی ہے، اگر ہم جمع کریں تو ایک طویل دفتر ہو جائے۔ مگر بہ طور ''مشتے نمونہ از خروارے'' (ڈھیر سے ایک مٹھی نمونے کے طور پر) ہم مسٹر طامس کارلائل (Thomas Carlyle) کا وہ مقالہ نقل کرتے ہیں، جو اس نے اپنی تصنیف ''ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ'' (Heroes and Hero Worship) میں لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے:

> ''صاف شفاف قلب اور پاکیزہ روح رکھنے والے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دُنیوی ہوا و ہوس (خواہشات و لالچ) سے بالکل بے لوث (بے غرض) تھے۔ ان کے خیالات نہایت متبرک (برکت والے) اور ان کے اخلاق نہایت اعلیٰ تھے۔ وہ ایک سرگرم اور پُر جوش ریفارمر (مصلح) تھے، جن کو خدا نے گمراہوں کی ہدایت کے لیے مقرر کیا تھا۔ ایسے شخص کا کلام خود خدا کی آواز ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انتھک کوشش کے ساتھ حقانیت کی اشاعت کی اور زندگی کے آخری لمحے تک اپنے مقدس مشن کی تبلیغ جاری رکھی۔ دنیا کے ہر حصے میں ان کے متبعین (پیروکار) بہ کثرت موجود ہیں اور اس میں شک نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کامیاب ہوئی۔''(6)

جماعت صحابہ کرامؓ کے کارناموں کی عمومیت و ہمہ گیریت

اور یہی وَجہ ہے کہ آپؐ کے صحابہ کرامؓ اور تلامیذِ عظام (عظمت والے شاگردوں)

www.rahimia.org

نے کامل ہادی اور مکمل ریفارمر (مصلح کل اور انقلابی) بن کر آپ کے بعد ہی تقریباً تمام دنیا میں عدل اور حقانیت، خدا ترسی اور عدالت، اخلاص اور للّٰہیت، سچی مساوات اور مکمل سیاست، کامل ہمدردی اور اخوت، انصاف اور جمہوریت پھیلا دی۔ بچوں کا قتل کرنا مٹا دیا۔ ناروا (بلاجواز) غلامی کو دور کردیا۔ ملکی حقوق میں برابری دے دی۔ اپنوں اور غیروں، مسلم اور غیرمسلم، ایشیائی اور افریقی، عرب اور عجم وغیرہ میں یکساں انصاف کیا۔ بھاری بھاری محصولات (ٹیکسز) سلطنت کو گھٹا کر دسواں (عشر) اور بیسواں (نصف عشر) اور چالیسواں حصہ (زکوۃ) کردیا۔

تجارت کو تمام بے جا محصولات اور مزاحمتوں سے آزاد کردیا۔ اسلام کے معتقدین کو مذہبی سرگروہوں (نمائندوں) کے لیے جبریہ ٹیکس دینے سے بری کردیا۔ مغلوب مذاہب پر غالب کے لیے مذہبی چندوں کی رسم کو مٹا دیا۔

صحابہ کرامؓ نے بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب، نظام قائم کیا

انھوں نے ان مفتوح اقوام کو بھی ہر قسم کے حقوق اپنوں کی طرح عطا کیے، جو کہ اپنے ہی مذاہب کے پابند تھے۔ ان کے جان و مال، عزت و آبرو کی اسی طرح حفاظت کی، جس طرح مسلم اقوام کی' کی جاتی تھی۔ ان کو ہر قسم کی پناہ دی۔ انھوں نے مال کی حفاظت کے لیے سُود لینے کو اور بغیر حُکمِ عدالت خون کا بدلہ لینے کو موقوف (ختم) کردیا۔ صفائی اور پرہیزگاری کا تحفظ کیا۔ حرام کاری کو موقوف (ختم) کردیا۔ غریبوں کو (ان کی عزتِ نفس کے تحفظ کے ساتھ) خیرات دینے اور بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر رحمت و شفقت کی ہدایت کی۔ حیا اور شرم کو پھیلایا۔ فواحش (بے حیائیوں) اور منکرات (غیر معقول رسوم و قوانین) کو مٹایا۔ اوہامِ باطلہ (بے جا خیالات) اور من گھڑت اور مادّی آلہہ (دنیاوی خداؤں) کی حکومت کو اقوامِ عالم سے نیست و نابود (ختم) کردیا۔ اور ان کی نفرت لوگوں کے دلوں میں پیدا کردی۔

دین اسلام کی تعلیمی اور تربیتی جامعیت

(حضورؐ کی) ان تھوڑے ہی دنوں کی تعلیم و تربیت سے:

☆ اگر ایک طرف خالدؓ بن ولید، ابوعبیدہؓ بن الجراح، سعدؓ بن وقاص، عمروؓ بن عاص، سلمان فارسیؓ وغیرہم جیسے فاتحین عالم اور سپہ سالار پیدا ہوگئے، جنھوں نے قوی سے قوی اور مضبوط سے مضبوط سلطنتوں کے تختے اُلٹ دیے تو دوسری طرف ابوبکرؓ بن ابی قحافہ، عمرؓ بن خطاب، عثمانؓ بن عفان، معاویہؓ بن ابی سفیانؓ جیسے سیاسی جہاں باں (حکمران) بنا دیے گئے۔

☆ اگر ایک طرف ابوذر غفاریؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمروؓ بن العاص جیسے زُہّاد وعُبّاد (زاہدین اور عابدین) تارک الدنیا (دنیوی دلچسپیوں سے یکسو) بن گئے تو دوسری طرف حکیمؓ بن حزام، عبدالرحمٰنؓ بن عوف جیسے اعلیٰ درجے کے تاجر تیار ہوگئے۔

☆ اگر ایک طرف حضرت علیؓ بن ابی طالب، زیدؓ بن ثابت، عبداللہ بن عباسؓ جیسے قاضی اور جج تیار ہوگئے تو دوسری طرف ابوہریرہؓ، انسؓ بن مالک، عبداللہؓ بن مسعود جیسے پروفیسرانِ (اساتذہ) علوم موجود ہوگئے۔

اگر طُول (خطبے کی طوالت/ضخامت بڑھ جانے) کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کی تفصیلی فہرست پیش کرتا۔

تعلیمی اور تربیتی جامعیت کا نتیجہ؛ دین کا بین الاقوامی غلبہ

یہی تعلیمی جامعیت اور مذہب کی ہر قسم اور ہر شعبے پر شانِ احتوا (ہمہ گیریت) تھی، جس کے ہر ہر قانون اور ہر ہر قاعدے میں مشفقانہ اصلاح اور مربیانہ (سرپرستانہ) ہمدردی بھری ہوئی تھی۔ اس لیے مسلمانوں کو باوجود ہر قسم کی بے سروسامانی کے، اقوامِ عالم پر حکمراں بنا دیا۔ بڑی سے بڑی قوتیں ان کے سامنے سربہ سجود ہوگئیں۔ مذہبِ اسلام، عالم انسانی کے دلوں میں جاگزیں (پیوست) ہوگیا۔ قومیں فوجاً فوجاً (گروہ در گروہ) اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئیں۔ نہ صرف مفتوح قومیں، بلکہ اجنبی ممالک اور فاتح اسلام قومیں بھی اسلام میں داخل ہوگئیں، جس کی بنا پر نہایت ہی تھوڑے عرصے میں بحرِ اٹلانٹک (Atlantic Ocean) کے مشرقی ساحل سے لے کر بحرِ پیسفک (Pacific Ocean) کے مغربی ساحلوں اور اس کے جزائر تک اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا اور باوجود یہ کہ بانیٔ اسلام ﷺ کی جدائی کے وقت مسلمانوں کی مردم شماری چار لاکھ سے زائد نظر نہیں آتی، مگر آج

(1937ء) بہ قول ''نیویارک ٹائمز'': اسلام کے ماننے والے ستر کروڑ پائے جاتے ہیں۔ (اس وقت ایک ارب ستر کروڑ سے زائد ہیں۔(ادارہ۔2020ء)

قرآن و حدیث کے علوم کی شعبہ جاتی تدوین

مسلمانوں نے قرآن و حدیث کی تعلیم کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر کے علاحدہ علاحدہ فنون بنائے۔

الف: علم عقائد و علم کلام

علم عقائد و توحید میں بہت سی کتابیں مختصر اور مُطوَّل (طویل) لکھی گئیں، جن میں اِنھیں علومِ صادقہ (سچے علوم) اور حقائقِ یقینیہ (غیر مشکوک اور یقینی حقائق) پر روشنی ڈالی گئی، جو کہ الٰہیات اور رسالت، مبدأ (ابتدائے کائنات) اور معاد (آخرت) وغیرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ شکوک اور شبہاتِ باطلہ اور اوہام و خیالاتِ فاسدہ (فضول تصورات) کہ جن میں دوسرے مذاہب مبتلا تھے، ان کا قلع قمع کیا گیا۔ فلسفۂ یونان وغیرہ کے ترجمہ ہونے کے بعد جو امور باعثِ شکوک ہوئے تھے یا ہوسکتے تھے، ان کے ازالے کے لیے طویل طویل بحثیں پیش آئیں اور علمِ کلام مدوّن ہوا۔ ان میں دہریہ، ملاحدہ (ملحدین)، یہود، نصارٰی، بت پرستوں وغیرہ کے شبہات وغیرہ پر پوری روشنی ڈالی گئی۔

ب: علم فقہ یعنی عبادات، معاشرت، سیاست اور معیشت کے قوانین

علم فقہ میں تمام اسلامی قوانین کو ضبط کیا گیا، جو کہ محض طہارت و عبادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتے، بلکہ ان میں تدبیرِ منزل (خاندانی نظام) کے تمام قوانین' خواہ نکاح و طلاق، عِدّت (نکاح کے ختم ہونے کی صورت میں عورت کی مدتِ انتظار) و رجعت (شوہر کا مقررہ مدت میں اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کرنا) خُلع (بیوی کا کسی مالی مفاد کے بدلہ میں شوہر سے طلاق لینا) اور اِیلا (شوہر کا چار ماہ یا اس سے کم مدت کے لئے بیوی سے قطع تعلق کی قسم) وغیرہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں یا معاشرت اور امورِ خانہ داری، انصاف بین الأزواج و الأقربا و الخدمه (بیویوں، رشتہ داروں اور خدمت گزاروں کے مابین انصاف) سے وابستہ ہوں، سب پر روشنی ڈالی

www.rahimia.org

گئی ہے۔

نیز غیر مسلم رعایا اور اعدائے اسلام (دشمنانِ اسلام) اور مخالفن خلافتِ اسلامیہ، نافرمانانِ قوانین (قانون توڑنے والوں) وغیرہ کے متعلق احکام وتعزیرات (سزائیں) صلح و جنگ، جزیہ اور ٹیکس وغیرہ کے اصول وقوانین بتائے گئے ہیں۔ دنیاوی زندگی کے تمام معاملات، کمپنیوں اور شِرکتوں کے قواعد، تجارات اور صناعات (ہنر وفنون) کے احکام، تمسکوں (دستاویزوں) اور اقرار ناموں، فارموں اور اسٹامپ، وصیت ناموں، وکالت ناموں وغیرہ کے ضوابط اور صُور (صورتیں) درج کیے گئے ہیں۔فتاویٰ اور (کتابوں کی) شروح جن پر تمام اسلامی حکومتوں کا ہمیشہ عمل درآمد رہا ہے، انھیں قوانین سے پُر ہیں۔

ج: علم تصوف و اَخلاق

علم تصوف میں اَخلاقیات پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے۔ زہد و ریاضت، تقویٰ اور پرہیز گاری، خدا ترسی اور خلقت پروری (انسان دوستی) روحانیت اور محاسن اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے۔

د: اہم علوم کے اصول وقواعد

علاوہ ازیں اصولِ فقہ، اصولِ حدیث، اصولِ تفسیر، تفسیر، قرأت و تجوید، تصوف اور ان کے آلات و ذرائع؛ نحو، صرف (عربی گرائمر کے علوم) معانی، بیان، بدیع (عربی بلاغت کے علوم) ادب، لغت، فرائض (علم میراث) طب، حساب، ریاضی، جغرافیہ، تاریخ، ہیئت، فلسفہ، منطق، جبر و مقابلہ، مساحت (پیمائش)، مناظرہ وغیرہ ہر قسم کے (مختلف علوم و) فنون ہیں، جن کو مدارسِ اسلامیہ کے پروگرام میں ہمیشہ سے کم وبیش حصہ دیا گیا ہے۔

اسلامی نظامِ تعلیم کے مقاصد؛ خدا پرستی اور انسان دوستی

ان علوم وفنون میں سب سے زیادہ خداترسی اور تعلق الٰہی اور رضا جوئ خداوندی کو اہمیت دی گئی ہے۔ مخلوق کو خالق سے وابستہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اخلاقِ فاضلہ (اعلیٰ اخلاق) خیراندیشی، فیض رسانی، پاک دامنی، حیا، تحمل، صبر، کفایت شعاری، سچائی، راست بازی، صلح پسندی، سچی محبت و ہمدردی، توکل بہ خدا، رضـا بـالـقـضـا (اللہ کے فیصلوں پر

رضامندی)، انقیادِ امرِ الٰہی (اللہ کے حکم کی فرماں برداری)، عالی ہمتی، رعایا پروری، رواداری، ایثار وقربانی وغیرہ کو بہت زیادہ سراہا گیا ہے۔ ناانصافی، کذب، غرور، انتقام، غیبت، استہزا (مذاق اُڑانا)، طمع (لالچ)، فضول گوئی، فضول خرچی، خود غرضی، عیاشی، خیانت، بدعہدی، بدگمانی، قطع رحمی، نفاق وغیرہ بُرے اَخلاق و اعمال کو نہایت زیادہ قابلِ ملامت و نفریں (نفرت) قرار دیا گیا ہے اور ان کو نہایت زیادہ قبیح (بُرا)، بلکہ بے دینی بتایا گیا ہے۔ ان میں سچائی کے ساتھ مخلوقِ خدا کے ساتھ احسان وکرم، نفع رسانی اور خیرخواہی کی تاکید کی گئی ہے۔

تعلیماتِ اسلامیہ کی درسی کتابیں اعلیٰ اَخلاق پیدا کرنے والی ہیں

ابتدا ہی سے تعلیماتِ اسلامیہ میں ایسی ایسی درسیات (درسی کتابیں) داخل کی گئی ہیں، جن سے بچپن ہی سے اس قسم کے جذبات پیدا ہوجائیں۔ بے حیائی اور خودغرضی، فواحش اور دست درازی، گناہوں وغیرہ سے نفرت دل میں جاگزیں (پختہ) ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی تعلیمات میں کریما، نامِ حق، پندنامۂ عطار، گلستان، بوستان وغیرہ جیسی (اخلاقیات کی) کتب داخلِ (نصاب) کی گئیں، جن سے روحانیات اور روحانی اخلاق میں روزافزوں ترقی موجزن ہوئی تھی۔ ان میں خداوندِ کریم کی غیرمحدود طاقت اور علم کا یقین دلایا گیا ہے۔ بُرائیوں اور ممنوعات (منع کردہ اُمور) کے ارتکاب پر بے پناہ عذابِ خداوندی سے ڈرایا گیا ہے۔ اور فرماں برداری اور عمدہ اعمال و اَخلاق پر غیرمتناہی (بے شمار) انعامات کے پختہ وعدے کیے گئے ہیں، جن کی وَجہ سے حقیقی اَمن وامان اور کامل ترقی اور فلاح دنیا اور آخرت میں ہوسکتی ہے۔ تنہائی میں، مجالس میں، چہاردیواری کے احاطوں میں، پہاڑوں میں، جنگلوں میں، تہ خانوں میں، شہنشاہی تخت پر، مضبوط قلعوں کے احاطے میں، افواج وعساکر کے قوتوں کے ساتھ، بے چارگی اور کمزوری کی حالت میں، یکساں طور پر بُرے اعمال و اَخلاق سے بچنا اور محاسن افعال و ملکات (اچھے کردار اور رویوں) کو اختیار کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

سامراجی نظامِ تعلیم کے مقاصد و اَثرات

مگر مغربی علوم اور تعلیماتِ جدیدہ ان معالی (اعلیٰ مقاصد و اَثرات) سے عموماً خالی ہیں:

www.rahimia.org

ا۔ الحاد و دہریت (خدا کا انکار)

اس کا جزوِ اعظم (بڑا حصہ) ملک کے باہر کھینچ کر بھیج دیا گیا ہے اور اس کے قدرتی عمل اس بدعملی کے ناپاک نظام نے معطل کردیے ہیں، جس نے لاکھوں نفوس کی منفعت (مفاد) کو چند افراد کے فائدے کی خاطر قربان کردیا ہے۔‘‘(7)

۲۔ مادہ پرستی (روحانیت کے دشمن)

وہ روحانیت اور مَلَکیت (نورانیت) کی دشمن اور مادہ پرستی کی شیدا (عاشق) ہے۔ وہ اسبابِ مزعومہ (خیالی) اور عللِ مخترعہ (خودساختہ وجوہات) کی اس قدر فریفتہ (عاشق) ہے کہ اس کے نیازمندوں کو کبھی روح اور **ما فوق الطبیعت** (طبیعی نظام سے بالاتر) کا وہم و خیال بھی نہیں آتا۔ روحانی ترقیات اور مَلَکی (نورانی) صفات و احوال سے اس کا انتہائی گریز ہوتا ہے۔

۳۔ خودغرضی (معاشی لوٹ کھسوٹ)

وہ خود غرضی کے میدان میں اس قدر سرگرم ہے کہ جس کے لیے اقوام اور اُمم (اُمتوں) کو، ممالک اور اقالیم (خطوں) کو موت کے گھاٹ اُتار دینا اور بے زر و بے درہم (کنگال) بنا دینا' نہ صرف جائز بلکہ کمال شمار کرتی ہے۔ چناں چہ یہی معاملہ تمام یورپین اقوام کا اپنے مستعمرات (نوآبادیات) کے ساتھ جاری ہے۔

سرجان شور (Sir John Shore) 1833ء میں کہتا ہے:

’’برطانوی صنعت بڑھانے کے لیے ہندوستانی دست کاری کا گلا گھونٹنا بڑے فکر کے ساتھ انگریزی تدبیر قرار دیا جاتا ہے، حال آں کہ یہ برطانوی قساوت (سخت دلی) کا ایک بہت ہی بڑا ثبوت ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اپنے ملک کی ترقی کے لیے انگریزوں نے کس طرح چُنگی اور محصول (ٹیکس) لگا کر ہندوستانی صنعتی زندگی کا خاتمہ کیا۔‘‘

دوسری جگہ لکھتا ہے:

’’لیکن ہندوستان کا عہدِ زرّیں گزر چکا ہے۔ جو دولت کبھی اس کے پاس تھی،

www.rahimia.org

اس کا جزوِ اعظم (بڑا حصہ) ملک کے باہر کھینچ کر بھیج دیا گیا ہے اور اس کے قدرتی عمل اس بدعملی کے ناپاک نظام نے معطل کر دیے ہیں، جس نے لاکھوں نفوس کی منفعت (مفاد) کو چند افراد کے فائدے کی خاطر قربان کر دیا ہے۔"(7)

۴۔ نفاق و دغابازی

وہ نفاق اور ڈِپلومیسی (دغابازی پر مبنی سیاست) کو مایۂ فضیلت اور ذریعہ فخر و مباہات (بڑائی) سمجھتے ہیں۔ مسٹر جارج ایلن اینڈ انون، لندن کا مشہور پبلشر کتاب "جنسِ تمدن" سے اقتباس ذیل میں شائع کرتا ہے:

"موجودہ تمدن کا سارا لب لباب (خلاصہ) منافقت ہے۔ لوگ اپنا عقیدہ ظاہراً خدا پر کرتے ہیں، لیکن عملاً اپنی جانیں تک مال پر قربان کرتے رہتے ہیں۔ زبانوں پر آزادی کا دعویٰ رہتا ہے، لیکن جو آزادی کے علم بردار ہوتے ہیں، انھیں کو سزائیں ملتی ہیں۔ دعویٰ مسیح (علیہ السلام) کی پیروی کا ہے اور اطاعت مسولینی (اٹلی کا فاشسٹ وزیرِاعظم جس نے 1922ء سے 1943ء تک جابرانہ حکومت کی) کی' کی جا رہی ہے۔ عزت کے الفاظ، عصمت کے متعلق استعمال کیے جاتے ہیں، لیکن عملی زندگیاں حرام کاری اور آتشک (خفیہ جسمانی مرض) کے لیے وقف ہیں۔ زبانی داد' سچائی کی دیتے ہیں، لیکن عملاً اقتدار و اختیار کی کرسیوں پر بددیانتوں ہی کو بٹھائے ہوئے ہیں۔ زبانوں پر اخوت (بھائی چارے) کے نعرے ہیں، لیکن جو بھائی ان کی جنگ یا (تنگ نظر) قومیت کے بدمستانہ جلوسوں میں شریک نہیں ہوتے، ان کے لیے یا جیل خانہ ہے یا جلاوطنی یا بندوق کی گولیاں۔"(8)

۵۔ بے حیائی اور فضول خرچی

وہ حدود قوانین کی مراعات (لحاظ) کرتے ہوئے ہر قسم کی بے حیائی، فواحش، اسراف و فضول خرچی کی نہ صرف اجازت دیتی ہے، بلکہ بسا اوقات ضروری قرار دیتی ہے۔ انگلستان اور دیگر ممالکِ یورپیہ اور امریکا کے حرامی بچوں کی تعداد ہائیڈ پارک اور

دوسرے مقامات کی حرام کاری کی رپورٹیں اور اعداد و شمار، مادرزاد برہنگی کی روز افزوں ترقی وغیرہ، طلاق اور خُلع کا موجیں مارنے والا سیلاب دیکھیے اور غور کیجیے۔

٦۔ تنگ نظری و جاہلی تعصب

وہ اپنے وطن اور قوم کے لیے ہر قسم کے مظالم، ہر قسم کی دست درازیوں کو روا اور جائز رکھتی ہے۔

سرجان شور (Sir John Shore) 1833ء میں کہتا ہے:

''برطانیہ نے جو طرزِ حکومت قائم کیا ہے، اس کے تحت میں ملک اور باشندگانِ ملک رفتہ رفتہ محتاج ہوتے چلے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان پرانے تاجروں پر جلد تباہی آ گئی۔ انگریزی حکومت کی پیس ڈالنے والی زیادہ ستانی (ظلم و زیادتی) نے ملک اور اہلِ ملک کو اتنا مفلس کر دیا ہے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔''

جان سلیون کہتا ہے:

''ہمارا طرزِ حکومت اسپنج کے مانند (دریائے) گنگا کے دھارے سے ہندوستان کی دولت چوستا ہے اور دریائے ٹیمز (Thames River) کے کنارے جا کر نچوڑ دیتا ہے۔''(9)

٧۔ مذہب دشمنی

وہ مذہب اور دین کو جنون (پاگل پن) اور لغو قرار دیتے ہوئے لامذہبی اور بے دینی کو مایۂ افتخار و مباہات سمجھتی ہے۔

٨۔ مقصدِ حیات؛ مادّی ترقی

وہ اس دنیاوی زندگی اور مادّی ترقی ہی کو مقصدِ حیات اور بامِ ترقی قرار دیتی ہے۔ اس کے بعد اُس کے نزدیک کوئی مقصد اور مطمعِ نظر نہیں ہے۔

٩۔ انبیاعلیہم السلام کی تعلیمات کا انکار

وہ انبیا اور رُسل کی تعلیماتِ زاکیہ (پاکیزہ تعلیمات) کو بے معنی اور دشمن انسانیت سمجھتی ہے۔

www.rahimia.org

۱۰۔ قطع رحمی (رشتے داروں کی خبر گیری سے دُشمنی)

وہ رشتہ داروں میں میل ملاپ، بڑوں اور بزرگوں سے تادّب (ادب)، چھوٹوں اور اپنوں پر رحمت و شفقت، فقیروں اور مسکینوں کی خبر گیری اور ان پر خیرات و صدقات کی دشمن ہے۔

۱۱۔ تعیش پسند معاشی سوچ

وہ سادہ زندگانی اور کم خرچ معیشت کی راہ میں انتہائی رکاوٹ پیدا کرنے والی اور سرمایہ دار مادہ پرست مغربی قوموں کے فیشن کا پرستار بنانے والی ہے۔ خیال فرمایئے کہ وہ امریکا جس کے ہر ہر فرد کی روزانہ آمدنی کا اوسط ۱۴ روپے ہے، اور وہ انگلستان کہ جس کے ہر ہر فرد کی آمدنی کا اوسط روزانہ ۶ روپے بارہ آنے (بہ قول روزنامہ ''انقلاب''، مؤرخہ 29/ جولائی 1928ء) اس کے فیشن اور تہذیب و مصارف (اخراجات) کا اتباع (پیروی)، اگر برطانوی عہد کا وہ ہندوستان کرنے لگے، جس کے ہر ہر فرد کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک پنس ہے، (بہ قول سرولیم ڈگبی) اور ڈیڑھ آنہ [10] اور تقریباً ایک آنہ (بہ قول لارڈ کرزن) پڑتا ہے تو بجز ہلاکت اور بربادی کے کیا حاصل ہوگا۔

یہی اور ان کے مثل (جیسی) دیگر وجوہ (وجوہات) ہیں، جنھوں نے عالمِ مشرق اور بالخصوص اسلامی دنیا اور بالاخص (اور زیادہ خاص طور پر) مسلمانانِ ہند کے علوم و معارف اور ان کی درس گاہوں اور ان کی زندگانی کو تباہی کے گھاٹ اتار دیا۔

قرآنِ حکیم مغربی دانش وروں کی نظر میں اور یورپ کا مذہبی تعصب

مغرب کے سر برآوردوں (بڑوں) نے ہمیشہ مشرق کی تعلیم گاہوں اور علوم کو مٹانے میں انتہائی سرگرمی کا ثبوت دیا ہے۔ وہ قرآنِ شریف جو کہ تمام علوم و معارف کا سرچشمہ ہے اور تمام کمالاتِ دینی و دُنیوی روحانی اور مادّی کا مرکز اور منبع (سرچشمہ) ہے۔ جس وقت سے وہ اتارا گیا ہے، آج تک محفوظ و مصؤن (ردوبدل سے بالاتر) رہ کر ہر قسم کی تحریفات وغیرہ سے محفوظ چلا آتا ہے۔ جس کے ہر قسم کے کمالات کے نہ صرف مسلمان، بلکہ مخالفین بھی پُرزور الفاظ میں اقرار کرتے رہے ہیں۔

سرولیم میور (Sir William Muir) اپنی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' (Life of Muhammad) میں لکھتا ہے:

''جہاں تک ہماری معلومات ہیں، دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں، جو اس (قرآن مجید) کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو۔''

ڈاکٹر موریس فرانسیسی (مشہور مصنف) لکھتا ہے:

''قرآن اپنی تعلیمی خوبیوں کے لحاظ سے تمام دنیا کی مذہبی کتابوں سے افضل ہے، بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے جو کتابیں دیں، ان سب میں قرآن بہترین کتاب ہے۔''

ڈاکٹر موریس کہتا ہے:

''قرآن نے دنیا پر وہ اثر ڈالا، جس سے بہتر ممکن نہ تھا۔''(11)

ڈاکٹر اسٹین گاس اپنی ڈکشنری میں کہتا ہے:

''قرآن کی خاص خوبی اس کی ہمہ گیر صداقت میں مضمر ہے۔''

جارج سیل (مشہور مترجم قرآن) کہتا ہے:

''قرآن جیسی معجز کتاب انسانی قلم نہیں لکھ سکتا۔ یہ وہ مستقل معجزہ ہے، جو مُردوں کو زندہ کرنے کے معجزے سے بلند تر ہے۔''

پادری والریسن بی ڈی (پینٹس برگ کے گرجے میں امن عالم کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے) کہتا ہے:

''مسلمانوں کا مذہب جو قرآن کا مذہب ہے، ایک امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔''

گاڈفری ہگنس کہتا ہے:

''قرآن کمزوروں اور غریبوں کا غم خوار ہے اور ناانصافی کی جابجا مذمت کرتا ہے۔''

www.rahima.org

ڈاکٹر کینن آئزک ٹیلر (کلیسائی انگلستان کے صدر نشین کی حیثیت سے 1877ء میں تقریر کرتے ہوئے) کہتا ہے:

''اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے، جو تہذیب و تمدن کا علم بردار ہے۔''

''نیر ایسٹ'' (لندن کا مشہور اخبار) لکھتا ہے:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم و ارشاد (قرآن) کی قدر و قیمت اور عظمت و فضیلت کو اگر ہم تسلیم نہ کریں تو ہم فی الحقیقت عقل و دانش سے بے گانہ ہیں۔''

مسٹر جان ڈیون پورٹ (Mr. John Davenport) اپنی کتاب ''اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن'' (An apology for Mohammed and the Quran) میں لکھتا ہے:

''من جملہ بہت سی اعلیٰ درجے کی خوبیوں کے جو قرآن کے لیے واجب (ضروری) طور پر باعثِ فخر و ناز ہو سکتی ہیں، دو خوبیاں نہایت بیّن (واضح) ہیں۔ یعنی:

اوّل تو اس کا وہ مؤدبانہ اور ہیبت و رعب سے بھرا ہوا طرزِ بیان، جو ہر اس مقام پر جہاں خدا تعالیٰ کا ذکر یا اس کی ذات کی طرف اشارہ ہے' اختیار کیا گیا ہے اور جس میں خداوندِ عالم کی ذات سے ان جذبات اور اَخلاقی نقائص کو منسوب نہیں کیا گیا، جو انسان میں پائے جاتے ہیں۔

دوسرے اس کا اُن تمام خیالات و الفاظ اور قصوں سے مبرا (خالی) ہونا، جو فحش اور خلافِ اَخلاق اور غیر مہذب ہوں۔ حال آں کہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ یہ عیب توریت وغیرہ کتبِ مقدسہ یہود میں بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ فی الحقیقت قرآن ان سخت عیوب سے ایسا مبرا ہے کہ اس میں خفیف سے خفیف (ہلکی سے ہلکی) ترمیم کی بھی ضرورت نہیں۔ اوّل سے آخر تک اسے پڑھ جائیے تو اس میں کوئی بھی ایسا لفظ نہ پاؤ گے جو پڑھنے والے

www.rahmia.org

کے چہرے پر شرم وحیا کے آثار پیدا کرے۔
قرآن میں ذاتِ باری کی تعریف نہایت مشرح (واضح) اور صاف ہے اور جو مذہب اس نے ان خوبیوں کے ساتھ قائم کیا ہے، وہ وحدانیتِ الٰہی کا نہایت پختہ اور شدید یقین ہے اور بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کو فلسفیانہ طور پر صرف ایسا مسبّب الاسباب مان لیا جاوے جو اس عالم کو اپنے مقررہ قوانین پر چلا کر خود ایسی شان وعظمت کے ساتھ الگ ہے کہ اس تک کوئی شئے نہیں پہنچ سکتی، (بلکہ) قرآن کی رو سے وہ ہر وقت حاضر و ناظر ہے اور اس کی قدرتِ کاملہ ہمیشہ اس عالم میں عامل (عمل کرنے والی) اور متصرف (دخل دینے والی) ہے۔ علاوہ ازیں اسلام ایسا مذہب ہے، جس کے اصول میں کوئی امر متنازعہ فیہ (جس میں اختلاف کیا گیا ہو) نہیں۔ اور چوں کہ اُس میں کوئی ایسا معمہ (پیچیدگی) نہیں، جو سمجھ میں نہ آئے اور زبردستی قبول کرنا پڑے، اس لیے وہ لوگوں کے خیالات کو ایک سیدھی سادی اور ایسی پرستش (عبادت) پر قائم رکھتا ہے، جو تغیر پذیر (تبدیل ہونے والی) نہیں ہے۔ حال آں کہ تیز وتند اور اندھا دھند جوش مذہبی نے پیروانِ اسلام کو اکثر اوقات آپے سے باہر کردیا ہے۔‘‘
’’سب سے آخر یہ بات ہے کہ اسلام ایسا مذہب ہے کہ جس سے ولیوں، شہیدوں اور تبرکات اور تصویروں کی پرستش اور ناقابل فہم باتیں اور حکیمانہ باریکیاں اور راہبوں کی تجرید (تنہا رہنا) اور تعذیبِ نفس (اپنے آپ کو عذاب دینا) بالکل خارج کردی گئی ہیں۔ چناں چہ اسلام میں ایسے ثبوت موجود ہیں، جن پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے بانی نے ماہیتِ اشیا (چیزوں کی حقیقت) اور اس زمانے کی قوموں کی حالت اور نیز اس امر پر کہ مسائل مذہبی عقل سے کیوں کر مطابق ہوسکتے ہیں، ایک طویل اور عمیق (گہرے) غور کے بعد اپنے مذہب کی بِنا (بنیاد) ڈالی ہے اور اس وَجہ سے یہ

کچھ محل (مقام) تعجب نہیں ہے کہ اسلامی طور (انداز) کی پرستش، اہل کعبہ کی بت پرستی اور صابئین کی پرستش اجرامِ فلکی (آسمانی ستاروں کی پوجا) اور زردشتیوں کی آتش پرستی (آگ کی پوجا) پر غالب آ گئی۔'' (12)

''چیمبرز انسائیکلو پیڈیا'' کا مقالہ نگار مذہبِ اسلام کے متعلق لکھتا ہے:

''مذہبِ اسلام کا وہ حصہ جس میں بہت کم تغیر و تبدل ہوا ہے (بلکہ نہیں ہوا ہے۔ مقرر) اور جس سے اُس کے بانی کی طبیعت صاف صاف معلوم ہوتی ہے، اس مذہب کا نہایت کامل اور روشن حصہ ہے۔ اس سے ہماری مراد قرآن کے علم اَخلاق سے ہے۔ ناانصافی، کذب، غرور، انتقام، غیبت، استہزا، طمع، فضول خرچی، عیاشی، خیانت اور بدگمانی نہایت قابل ملامت قرار دی گئی ہیں اور ان کو قبیح اور بے دینی بتایا ہے۔ بمقابلہ ان کے خیراندیشی، فیض روحانی، پاک دامنی، حیا، تحمل، صبر، کفایت شعاری، سچائی، راست بازی، عالی ہمتی، صلح پسندی اور سچی محبت اور سب سے بڑھ کر توکل بہ خدا (اللہ پر بھروسہ) اور انقیادِ (فرماں برداری) امر الٰہی کو حقیقی ایمان داری کی اصل بنیاد اور مؤمن صادق (سچے مؤمن) کا اصلی نشان قرار دیا ہے۔'' (13)

اُسی مکمل کتاب اور بے نظیر کلامِ الٰہی کے متعلق مشہور ذمہ دار برطانیہ مسٹر گلیڈ سٹون بھرے مجمع میں اس کو اٹھاتے ہوئے بلند آواز سے کہتا ہے:

''جب تک یہ کتاب دنیا میں باقی ہے، دنیا متمدن اور مہذب نہیں ہوسکتی۔''

انھیں علوم اور مدارس کے مٹانے اور مہلک (ہلاکت خیز) علومِ جدیدہ کو شائع کرنے کے لیے لارڈ میکالے کہتا ہے:

''ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے، جو اگر رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں تو دل و دماغ کے اعتبار سے فرنگی۔'' (14)

برطانوی تسلط سے پہلے ہندوستان کا نظامِ تعلیم

باوجود یہ کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت سے پہلے ہر ہر قریہ اور دیہات میں

مشرقی علوم کے مدارس موجود تھے، جیسا کہ سر تھامس منرو کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے:

''ہندوستانیوں کا طریقہ کاشت کاری، بے مثل صنعت و حرفت، ان کی صنعت و کاشت کاری کے معاملے میں اعلیٰ استعداد، ہر قریہ میں ایسے مدارس کی موجودگی، جس میں نوشت و خواند (لکھنے پڑھنے) اور حساب کی تعلیم ہوتی ہو، ہر شخص میں مہمان نوازی اور خیرات کرنے کا مبارک جذبہ موجود ہو اور سب سے زیادہ یہ کہ صنفِ نازک پر پورا اعتماد کیا جاتا ہو، اس کی عزت، عصمت اور عفت کا پوری طرح سے لحاظ رکھا جاتا ہو، یہ ایسے اوصاف ہیں، جن کے ہوتے ہوئے ہم اس قوم کو غیر مہذب اور غیر متمدن نہیں کہہ سکتے۔ ایسی صفات کی موجودگی میں ہندوستان کو یورپی اقوام سے کسی طرح کم تر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگر انگلستان و ہندوستان کے درمیان تہذیب و تمدن کی تجارت کی جائے تو مجھے یقین کامل ہے کہ ہندوستان سے تمدن کی جو کچھ درآمد انگلستان میں ہوگی، اس سے انگریزوں کو بہت فائدہ پہنچے گا۔''(15)

سامراج کی تباہ کن تعلیمی پالیسی

مگر برطانوی حکومت نے اُن مدارس کو اپنی ناپاک اور نجس پالیسی کی بنا پر تباہ و برباد کردیا۔ مسٹر لڈلو (Mr Ludlow) اپنی تاریخ ''برطانوی ہند'' میں لکھتا ہے:

''مجھے یقین ہے کہ ہندوؤں کے ہر گاؤں میں جو اپنی قدیم شان اور حیثیت کو قائم رکھے ہوئے تھا، عام طور پر بچے لکھ پڑھ سکتے تھے اور حساب میں بھی انھیں خاص مہارت ہوتی تھی، لیکن ہم نے بنگال کی طرح جہاں جہاں دیسی سسٹم کو فنا کردیا ہے، اُس جگہ دینی مدرسے بھی فنا ہوگئے۔''(16)

جب کہ ہندوؤں کے ہر ہر گاؤں میں بچے عام طور پر لکھے پڑھے ہوتے تھے اور مدارس قائم تھے تو مسلمانوں کے گاؤں میں اور ان کی اولاد میں کہیں زیادہ تعلیم گاہیں اور علم و ہنر ہوگا۔ کیوں کہ مسلمانوں کا مذہب تعلیم و تعلّم (پڑھنے پڑھانے) کو فرض قرار دیتا ہے۔ نیز وہ اُس وقت تمام سیاست اور نظام کے مالک تھے۔

www.rahimia.org

آنریبل مسٹر الفنسٹن اور ایف وارڈن نے 1823ء اور 1828ء میں مسئلہ تعلیم پر ایک یادداشت مرتب کی تھی، جس میں انھوں نے اُس نقصان کو تسلیم کیا، جو ملک کو انگریزوں کی ذات سے پہنچا تھا۔ ان کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں:

''ہم نے ہندوستانیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کردیے اور ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس سے نہ صرف یہ کہ تعلیمی ترغیب نہیں ہوتی، بلکہ اس سے قوم کا علم سلب ہوا جاتا ہے اور علم کے پچھلے ذخیرے نسیاً منسیاً (بھولے بسرے) ہوئے جاتے ہیں۔ اس الزام کے رفع (دور) کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔''(17)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُنیس ویں صدی کے ابتدائی حصے میں ہی برطانوی مدبرین (پالیسی سازوں) نے مدارس اور تعلیم گاہوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا تھا اور ملک ِہند سے علمی ذخائر کو معدوم (ناپید) کرکے عام ہندوستانیوں کو جاہل بنا دیا تھا۔ برطانوی ناپاک پالیسی کا ہمیشہ سے تقاضا یہی رہا ہے کہ وہ ہندوستانیوں میں کسی قسم کے علوم کو بھی رائج نہ ہونے دے۔

سرولیم ڈگبی (William Digby) اپنی کتاب ''پراسپریس برٹش انڈیا'' ('Prosperous' British India A Revelation) میں میجر جرنیل اسمتھ کے سی بی کی شہادت قلم بند کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''سوال نمبر 5630: کیا آپ کسی طرح اس بات کی روک کرسکتے ہیں کہ دیسیوں کو ان کی طاقت کا علم نہ ہو؟

جواب: میرے خیال میں انسانی تاریخ میں کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی کہ معدودے چند اغیار (باہر کے گنے چنے افراد) چھ کروڑ آبادی کے ملک پر حکمرانی کرسکیں۔ غالبًا یہ اس وقت کا واقعہ ہے، جب کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضے میں تمام ملک نہیں آیا تھا، جسے آج کل رائے کی بادشاہت (حکمرانی) کہتے ہیں، اس لیے جونہی وہ تعلیم یافتہ ہوجائیں گے تو تعلیم کی تاثیر سے ان کے قومی اور مذہبی

تفرقے دور ہوجائیں گے، جس کے ذریعے سے ہم نے اب تک اس ملک کو اپنے قبضے میں رکھا ہے۔ یعنی مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف کرنا اور علیٰ ہذا القیاس تعلیم کا یہ اثر ضرور ہوگا کہ ان کے دل (حوصلے) بڑھ جائیں گے اور انھیں اپنی طاقت سے آگاہی ہوجائے گی۔'' (18)

الغرض! برطانیہ نے ابتدا ہی سے علم اور ذرائع علم کو اپنی اغراضِ فاسدہ (ناجائز مقاصد) اور نجس (ناپاک) پالیسی کی بنا پر فنا کردیا اور جب بہت زیادہ شور و شغب (چرچا) اس کے لیے بپا ہوا تو ایسی تعلیمات اور درس گاہیں کھولیں اور ایسا پروگرام بنایا جو کہ اس کے ناپاک مقاصد کے لیے معین و مددگار بن کر ہندوستانیوں کے لیے حقیقی زندگانی کی راہ میں کانٹا ہوجائے (رکاوٹ بن جائے۔) چناں چہ موجودہ تعلیمات پر غور وفکر کرنے والا آدمی بہ خوبی پہچان سکتا ہے۔ مگر اس پر بھی صیغۂ (شعبہ) تعلیمات سے نہایت ہی زیادہ سرد مہری (بے توجہی) برتی جاتی ہے اور معمولی لکھنے پڑھنے والے دس فی صد آدمی بھی تمام ہندوستان میں نظر نہیں آتے۔ پانچ فی صد بھی تعلیم پر خرچ کرنا گورنمنٹ کو نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے۔ (پاکستان میں تعلیم کی صورتِ حال اس سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ ''ادارہ'') جب کہ معمولی نوشت وخواندگی کی یہ حالت ہے تو اسلامی علوم وفنون سے جس قدر بھی دشمنی تسلیم کی جائے، بے جا نہ ہوگی۔ یہی وَجہ ہوئی کہ 1857ء تک تمام ہندوستان میں مدارسِ اسلامیہ کا وجود ناپید ہوچکا تھا اور بچے کھچے علمائے اسلام کو خصوصیت کے ساتھ اس زمانے میں فنا کیا گیا۔

قومی دینی مدارس کے قیام کا پس منظر

اَب حالت اس درجے کو پہنچ گئی تھی کہ مذہبِ اسلام کی حفاظت اور بقا کی کوئی بھی صورت نہ تھی۔ وہ نام کے اسلامی مدارس بھی باقی نہ تھے، جن سے کسی قسم کی اشک شوئی کی جاسکتی (آنسو پونچھے جاسکتے) ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لیے ہر قسم کا علمی ذخیرہ بلکہ نفس اسلام (بذات خود اسلام) کی تعلیم عربی اور فارسی زبان میں ہی تھی اور ہے، بغیر اس کی تعلیم کے جاری ہونے کے اسلام کا ہی بقا ناممکن تھا۔ اس لیے بقیۃ السلف (زندہ بچ رہنے

والے) علما کو ضروری معلوم ہوا کہ پوری جدوجہد کے ساتھ مذہبی علوم اور اسلامی فنون کو ملک میں جاری کریں۔ یہ بدیہی (واضح) امر ہے کہ مسلمان اگر کیسی ہی ترقی مال و دولت، حکومت وتجارت وغیرہ میں کریں، مگر اسلام اور اس کے احکام سے نابلد اور ناواقف ہوں تو وہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی نہیں کہی جاسکتی۔ چہ جائے کہ وہ نجات اور فائز المرامی (مقاصد میں کامیابی) کے مستحق ہوں۔

اربابِ ہمم (ہمت وعزم کے مالک حضرات) اسی ضرورت کو محسوس کر کے خدا کے نام پر اُٹھے۔ قوم کو اس طرف متوجہ کیا۔ ہر قسم کی صعوبتیں جن کے وہ کبھی عادی نہ تھے، برداشت کیں اور اسلامی مدارس کی بنیاد ڈالی۔

متقدم (قدیم) مدارس میں ''دارالعلوم دیوبند'' چند پاکیزہ ہستیوں کی جدوجہد سے قائم ہوا اور وہ تدریجی ترقی کرتا ہوا تھوڑے ہی عرصے میں مرکزی شان پر فائز ہوگیا۔ اسی طرح سہارن پور کا مدرسہ مظاہر العلوم اس کے چھ ماہ یا کم وبیش زمانے کے بعد ظہور پذیر ہوا۔ نیز مرادآباد میں مدرسہ قاسم العلوم، مدرسہ امدادیہ نگینہ (ضلع بجنور)، روڑکی (ضلع سہارن پور)، امروہہ، گلاؤٹھی، بلند شہر، میرٹھ، مظفرنگر، دہلی، کان پور، لکھنؤ، بنارس، مبارک پور، مئو، الٰہ آباد، بریلی، شاہ جہان پور، خورجہ، رام پور وغیرہ وغیرہ میں مذہبی مدارس قائم کیے گئے اور تمام علوم وفنونِ اسلامیہ عربی زبان کے تعلیمی طور پر رائج کیے گئے۔ جن سے ہزاروں ہزار علما مختلف استعداد اور قابلیت کے پیدا ہوئے۔ جنھوں نے مذہبِ اسلام کے تحفظ اور اس کی تبلیغی خدمات میں کم وبیش حصہ لیا۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہ کیا جاتا تو یقیناً آج ہندوستان جیسے وسیع ملک میں اسلام کا نام تک بھی باقی نہ رہ جاتا۔ یوپی کے علاوہ صوبہ بنگال، آسام، بہار، مدراس، بمبئی، سندھ، پنجاب، فرنٹیئر، برار وغیرہ میں بھی بیداری روز افزوں ترقی پذیر ہوئی اور یکے بعد دیگرے مدارس قائم ہوئے، جن سے ان صوبوں کے مسلمانوں کا تحفظ بڑے درجے تک عمل میں آیا۔

برطانوی سامراجی نظام کی اسلام دشمنی

میرے محترم بزرگو! ایک ایسے ملک میں جہاں سے حکومتِ اسلامیہ کا ظل

(سایہ) خداوندی اُٹھ گیا ہو، اس کی جگہ قائم ہونے والی حکومت پردیسی اور غیر مسلم ہو۔ اس کی پالیسی یہ ہو کہ وہ مسلمانوں کی قوم اور مذہب کو اپنا دشمن سمجھتی ہو۔

جیسا کہ گورنر جنرل ہندلارڈ اِلن برا (Lord Ellenborough) 1843ء میں ڈیوک آف ولنگٹن کو لکھتا ہے:

''میں اس عقیدے سے چشم پوشی نہیں کرسکتا کہ مسلمانوں کی قوم اصولاً ہماری دشمن ہے۔ اس لیے ہماری حقیقی پالیسی یہ ہے کہ ہم ہندوؤں کی رضا جوئی کرتے رہیں۔'' (19)

ہنری ہیرنگٹن طامس (بنگال کا سویلین) اپنے رسالہ (ہندوستان میں گزشتہ بغاوت اور ہماری آئندہ پالیسی) میں لکھتا ہے:

''وہ (مسلمان) خلیفہ اوّل کے وقت سے موجودہ زمانے تک یکسانیت کے ساتھ مغرور، غیر روادار اور ظالم رہے ہیں۔ ہمیشہ ان کا مقصد یہ رہا ہے کہ جس ذریعے سے بھی ہو، اسلامی حکومت قائم ہو اور عیسائیوں کے ساتھ نفرت کے خیالات کی نشو ونما ہو۔ مسلمان کسی ایسی گورنمنٹ کے جس کا مذہب دوسرا ہو، اچھی رعایا نہیں ہوسکتے، اس لیے کہ احکامِ قرآنی کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں۔'' (20)

وہ مزید لکھتا ہے:

''اگر مسلمان حاکم کے علاوہ اور کوئی ان کا فرماں روا ہو تو وہ خود کو ایسی حالت میں پاتے ہیں کہ جس پر راضی ہوجانا ان کے ضمیر کے خلاف ہے۔ اس لیے اعزاز و مراعات سے انھیں خوش رکھنا ناممکن ہے۔ مگر انھیں نمائشی وفاداری کا ڈھب خوب آتا ہے اور وہ موقع کے منتظر رہتے ہیں، لیکن عیسائیوں کے ساتھ اس طبعی منافرت کے علاوہ اور بھی وجوہ تھے (وجوہات تھیں)، جن کے باعث ہندوستان کے مسلمان ہماری بربادی کے خواہاں تھے۔ وہ بھولے نہ تھے کہ کئی پشت تک ہندوستان ان کے زیرِ نگیں (زیرِ حکومت) رہ چکا تھا اور پھر انھیں یقین تھا کہ برطانیہ کی قوت اگر کامل طور پر برباد ہوگئی تو ان کی عظمتِ رفتہ

(کھوئی ہوئی عظمت) واپس آجائے گی اور وہ دوبارہ ہندوؤں پر حکومت کرسکیں گے۔ ہندوستانی فوج میں جو بددلی پھیل رہی تھی، اس کو انھوں نے تاڑ لیا اور اپنی ریشہ دوانیوں سے اس چنگاری کو بھڑکا کر آگ لگا دی۔''(21)

سامراج کے ہاتھوں برصغیر کی تباہ حالی

الغرض! خلاف واقع طور پر حکومت موجودہ کے ذمہ دار حکام ہمیشہ سے صرف اسلام اور مسلمانوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن اور انقلاب 1857ء کا ذمہ دار انھیں کو سمجھ کر ان کی ہر قسم کی عظمت اور شوکت اور ان کی رفاہیت (آسائش) اور خوش حالی، قوت اور مذہبیت کو مٹانے کے درپے رہے اور اس امر سے چشم پوشی کرتے رہے کہ انقلاب 57ء کا ذمہ دار خود انگریزوں کا وہ طرزِ عمل ہے، جس کو یورپین تعلیم اور ان کا جدید تمدن پھیلا رہا تھا۔ اور اُس پر عمل درآمد انگریز کر رہے تھے اور وہی آج بھی تمام ملک میں بے چینی کی آگ بھڑکائے ہوئے ہے۔ اُسی کو لیفٹیننٹ گورنر جنرل میک لیوڈ انیس نے اپنی کتاب (بغاوتِ فوج) میں لکھا اور تسلیم کیا ہے۔

برطانوی سامراج کی معاشی لوٹ کھسوٹ

اس کا اصول یہ ہے کہ ہندوستان کے خون کو روز بروز چوسا جائے اور ان کی ہر قسم کی دولت و رفاہیت اور ان کے ذرائع کو فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اس کی ایسی ہی پالیسیوں کی وَجہ سے ہندوستان روز بروز بد سے بدتر حالت میں پہنچتا جا رہا ہے۔ چناں چہ مسٹر ڈبلو جی پیڈر 1873ء میں لکھتا ہے:

''ایک ایسی رائے جس پر تقریباً ہر شخص متفق ہے، اگر قابل اعتماد ہوسکتی ہے تو صحیح ہے کہ اہل ہند ہمارے زیرِ حکومت بد سے بدتر حالت کو پہنچتے جاتے ہیں۔ یہ نہایت اہم مسئلہ ہے، جس پر حکومت کو توجہ کرنا چاہیے۔''(22)

ایچ ایم ہنڈ مین (مشہور ماہر اقتصادیات) کہتا ہے:

''ہندوستان روز بروز کمزور و ناتواں ہوتا جا رہا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ عوام کی زندگی کا خون آہستہ آہستہ مگر دن بدن تیز روی کے ساتھ نکلا جا رہا ہے۔''(23)

اس نے اپنی ناپاک اور نجس پالیسی کی بنا پر ملک کو انتہائی افلاس اور نکبت (ذلت) میں مبتلا کر دیا ہو۔ ابھی ابھی میں سر جان شور کا مقالہ (قول) نقل کر آیا ہوں کہ وہ 1833ء میں کہتا ہے کہ:

''انگریزی حکومت کی پیس ڈالنے والی زیادہ ستانی (ظلم وستم) نے ملک اور اہل ملک کو اتنا مفلس کر دیا ہے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔''

مسٹر فلپ فرانسس (ممبر بنگال کونسل) کہتا ہے:

''ایک انگریز کو یہ معلوم ہو کر تکلیف ہونی چاہیے کہ جب سے کمپنی کو دیوانی (مالی اور شہری معاملات کا اختیار) ملی ہے، اہل ملک کی حالت پہلے سے بدتر ہوگئی۔ اور یہ کمپنی کی تجارت وغیرہ کا نتیجہ ہے۔ میرے خیال میں یہی اسباب ہیں، جن کی وجہ سے یہ ملک ایک شخصی اور مطلق العنان حکومت کے زیر سایہ تو سرسبز ہوتا رہا، مگر جب انگریزوں کے تصرف میں آیا تو تباہی کے کنارے پر پہنچ گیا۔''(24)

مسٹر سیول میرٹ ممبر کونسل 1836ء میں لکھتا ہے:

''برطانیہ کا دورِ حکومت مہربان اور مقبول بتایا جاتا ہے، مگر اس عہد میں ملک جس حالت کو پہنچ گیا ہے، اگر اس کا مقابلہ دیسی حکمرانوں کے عہد سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ لوگ اس وقت خوش حال تھے۔ یہ ملک فلاکت (زوال) کی انتہائی پستی کو پہنچ گیا ہے۔''

وہ بہ قول مسٹر ریمزے جیمز میک ڈونلڈ:

''قحط اور افلاس سے ستائے ہوئے لوگوں کی بستی بن کر رہ گیا۔''

اور بہ قول سر جان سائمن: ''اس کی تمام آبادی انتہائی افلاس میں مبتلا ہے۔''

اور بہ قول مسٹر پیٹر فریمین: ''اس میں چار کروڑ سے لے کر سات کروڑ تک آدمی مسلسل فاقہ کشی میں مبتلا کر دیے گئے ہوں۔''

اور بہ قول مسٹر اے اے برسل: ''تقریباً آبادی کا 3/4 حصہ کبھی پیٹ بھر کر چاول

بھی نہ پاتا ہو۔‘‘

مدارسِ اسلامیہ کی مشکلات

جس ملک میں حکومت کا گوشۂ خاطر (دلی رُجحان) عام طور پر جہالت پھیلانا ہو، عام طور پر اہلِ ثروت (دولت) وحکومت ملکی اور اسلامی (قومی اور اسلامی حکومت) باقی نہ رہے ہوں۔ علومِ اسلامیہ کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کو عہدہ ہائے حکومت نہ دیے جاتے ہوں، ان مدارس اور ان کے طلبا اور مدرّسین کو کوئی امتیازی شان حاصل نہ ہو، نہ ان کی ہمت افزائی اور پرورش (دیکھ بھال) کا کوئی سامان ہو اور نہ کوئی مالی امداد ملتی ہو، جس ملک میں الحاد اور زندقہ کی مغربی بادِ صرصر (جُھلسا دینے والی ہوا) دن رات چل رہی ہو۔ ہوا (خواہش) پرستی اور ضلالات (گمراہیوں) و بدعات کی وباؤں نے عام طور پر مزاجوں کو ماؤف (معطل) بنا دیا ہو۔ عام طور پر مسلم آبادی انتہائی فقر و فاقے میں مبتلا کر دی گئی ہو، ان جملہ امور اور ایسے ہی دیگر حالات میں مدارسِ اسلامیہ کا اس ملک ہندوستان میں قائم ہونا اور باقی رہنا کس قدر مشکل اور دشوار ہوگا۔ اگر غور وفکر کو کام میں لایا جائے اور عالم اسباب اور ظاہر بینی کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو ان علوم اور درس گاہوں کا باقی رہنا ہی نہایت محال (ناممکن) معلوم ہوتا ہے۔ اور ضروری طور پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ بھی قرآن کا معجزہ اور حضرت خاتم النبین علیہ السلام کی کھلی ہوئی برکت ہے۔

قومی دینی نظامِ تعلیم کی خدمات

کہ انھیں سخت سے سخت دشوار گزار گھاٹیوں کے اندر گزرتا ہوا دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس آہستہ آہستہ ترقی پذیر رہے۔ آج تک دارالعلوم دیوبند (1937ء) میں اپنی عمر کے بہتر (۷۲) سال پورے کر کے بارہ تیرہ ہزار عالم پیدا کر چکا ہے اور اطراف و اکنافِ عالم (دنیا کے مختلف گوشوں) میں انھیں علما کے ذریعے سے اسلام اور سنن نبویہ (علیٰ صاحبها الف الف صلوٰة و تحية) کی نشر و اشاعت کرتا ہوا حسب الاستطاعت (حتی الامکان) کفر و الحاد، زندقہ اور فساد، بدعات اور ضلالات (گمراہیوں) کو روک رہا ہے۔

اگرچہ مسلمانوں کی بے توجہی اور ان کے فقر و فاقہ اور عدمِ احساس کی بنا پر وہ کما

یــنبـغـی (جیسا کہ ہونا چاہیے) اور حسبِ خواہش کارکنان ترقی نہ کرسکا، مگر تاہم مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو یہ کہنا ہرگز غلط نہ ہوگا کہ وہ آج تمام عالم اسلامی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ اس نے نہ صرف ہندوستان کے مختلف صوبوں اور اطراف و اکنافِ عالم میں علومِ اسلامیہ کی روشنی پھیلائی ہے، بلکہ بیرونی ممالک افغانستان، بلوچستان، عراق، حجاز، شام، وسطِ ایشیا، ترکستانِ چینی، ترکستانِ روسی، قازان، شام، یمن، برما، جزائر سماٹرا و جاوا وغیرہ میں بھی ہزاروں تعلیم یافتہ بنا دیے ہیں۔ صوبہ بنگال، جو کہ بہ حیثیت آبادی ہندوستان میں سب سے بڑا اور زرخیز صوبہ ہے، اس سے بہت ہی زیادہ مستفید ہوتا رہا ہے۔ اس وقت (1937ء) تقریباً بارہ سو طلبا سے زائد اس میں تعلیم پا رہے ہیں۔ طلبا پر کسی قسم کا ٹیکس اور فیس کا بوجھ نہیں رکھا جاتا، بلکہ تقریباً پانچ سو طلبا سے کچھ زائد کی تمام ضروریات کا تکفّل (کفالت) کیا جاتا ہے۔

اگر مالی استطاعت پوری ہوتی تو ضرور اس میں ہر قسم کے ضروری شعبے اور لوازماتِ زندگی و طالبِ علمی کے سامان مہیا کیے جاتے۔ طلبا کے لیے قیام گاہیں وغیرہ پورے پیمانے پر موجود ہوتیں۔ دیگر عمارات مختلفہ اور کتابیں وغیرہ حسبِ ضرورت تیار کی جاتیں، مگر سرمائے کی قلت ہر طرف قدم بڑھانے سے سدِ راہ (رکاوٹ) بنتی ہے۔

مدارس کے قدیم و جدید نصابِ تعلیم کا موازنہ

عربی تعلیمات کے لیے نصاب میں جو ضرورتیں اربابِ حل وعقد (ذمہ دار حضرات) کے ذہن میں آتی جاتی ہیں، ان کی ترمیم و تنسیخ، زیادتی اور کمی وغیرہ ابتدا ہی سے جاری ہے۔ اگر قدیم نصابِ تعلیم (جس کو درسِ نظامی سے تعبیر کیا جاتا ہے) اور موجودہ نصاب کا مقابلہ کیا جائے تو اس قدر بیّن (واضح) فرق معلوم ہوگا کہ گویا دو نصاب علاحدہ علاحدہ تجویز کیے گئے ہیں۔ موجودہ نصاب میں علم حدیث اور علم تفسیر کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

گریجوایٹ طبقے کے لیے تجویز

انگریزی خواں طلبا کے لیے یہ مناسب ہے کہ فنون میں جو متعدد کتابیں تقویت

www.rahmia.org

استعداد (صلاحیت کی مضبوطی) اور حفظِ مسائل (مسائل یاد رکھنے) کے لیے رکھی گئی ہیں، ان کو کم کردیا جائے یا جن فنون کو انھوں نے انگریزی زبان میں حاصل کرلیا ہے، ان کو حذف کردیا جائے۔ اور بہت ہی زیادہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معروضۂ (پیش کردہ) ذیل امور کی طرف خصوصی توجہ منعطف (مبذول) کی جائے:

1۔ عربی زبان کی اہمیت

چوں کہ اسلامی تعلیمات، اسلامی تواریخ، اسلامی معاشرت، اسلامی تمدن، اسلامی علوم وفنون یہ سب عربی زبان میں ہیں، اس ساڑھے تیرہ سو برس (اب چودہ سو برس سے زائد) میں مسلمانوں نے بڑے بڑے مذہبی اور تمدنی انقلابات برپا کیے ہیں اور علوم وفنون کے بہت سے شعبوں میں مسلمانوں کا مستقل اور پائیدار اثر قائم ہوا ہے۔ اور یہ سب کچھ عربی زبان میں ہے۔ مسلمانوں کے خاص خاص علوم ہیں، جو اور کسی زبان میں پوری طرح نہ مکمل ہوسکتے ہیں، نہ ترجمہ کیا جاسکتا ہے۔ جیسے حدیث، تفسیر، اصول، اسماء الرجال وغیرہ، الغرض! مسلمانوں کا سارا علمی سرمایہ عربی زبان میں ہے۔ اس لیے من حیث القوم (اجتماعی حیثیت میں) مسلمان عربی تعلیم کے لیے مجبور ہیں، نہ اس کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ان کو چھوڑنا چاہیے۔

2۔ مدارسِ اسلامیہ کے طلبا کی معاشی حالت درست کرنا ضروری ہے

غور طلب یہ امر ہے کہ صرف ہندوستان میں شاید کئی لاکھ مسلمان ہر سال عربی تعلیم میں مشغول رہتے ہیں اور ہر سال ہزاروں طالبِ علم آٹھ دس برس کی محنتِ شاقہ (سخت) کے بعد سندِ فراغ (عالم دین کا سٹیفکیٹ) حاصل کرتے ہیں۔ ان کے لیے بہ ظاہر معاش کا کوئی ذریعہ نہیں۔ یہی لوگ قومی اور مذہبی رہنما اور قومی رہبر ہوتے ہیں، مگر معمولی بسر اوقات اور اپنی قوت سے قدرِ کفاف (بہ قدرِ ضرورت) حاصل کرنے کا موقع بھی ان کو حاصل نہیں ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رہنما ہوتے ہیں، مگر محتاج، رہبر بنتے ہیں، مگر مفلس اور احتیاج کی وَجہ سے جو جو خرابیاں پیدا ہوسکتی ہیں، وہ ہوتی رہتی ہیں۔

یہ چیز ناممکن ہے کہ مسلمانوں کو عربی تعلیم سے روک دیا جائے اور روکنا مناسب اور

www.rahimia.org

جائز بھی نہیں، ورنہ یہ مسلمانوں کو مذہبی اور ملّی تباہی کا باعث ہوجائے گا۔ لہٰذا کیا مسلمانوں کی اس تعلیمی کانفرنس کے لیے یہ امر غور طلب نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی عربی تعلیم کے مسئلے کی طرف اپنی مکمل توجہ منعطف (مبذول) کرتی ہوئی عربی تعلیم یافتہ اشخاص کے ذرائع معاش کے مسئلے کو حل کرے۔

اعلیٰ علما تیار نہ ہونے کی وجہ

یقیناً مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اس مسئلے سے اب تک بہت بڑی غفلت برتی ہے۔ شکایت کی جاتی ہے کہ اچھے علما پیدا نہیں ہوتے، مگر اچھے علما پیدا ہونے کے اسباب و ذرائع کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے: ''لو كُلّفتُ بَصلةً، ما عَرفتُ مسئلةً'' (اگر مجھ کو پیاز (حصول خوراک) کی تکلیف دی جاتی تو ایک (شرعی) مسئلے کو بھی نہ پہچانتا) ضروری ہے کہ علما کو احتیاج اور افلاس سے نکالا جائے۔ ان کو اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ اپنی روزی اپنے قوتِ بازو سے حاصل کرسکیں، تاکہ ان میں فارغ البالی، خودداری، آزادیٔ رائے، پوری ہوسکے اور ''چہ خورد بہ امدادِ فرزندم'' (میرا بیٹا کیا کھائے گا) سے فی الجملہ (کسی حد تک) آزاد ہوجائیں۔ یہ امر مشکل نہیں ہے، مگر اس کے لیے متفقہ قومی آواز (اور قومی نظام) کی ضرورت ہے۔

مدارسِ اسلامیہ کے تعلیم یافتہ کے لیے تجاویز

مسلم تعلیمی کانفرنس کا اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ اس مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لے۔ مجھ کو قوی امید ہے کہ پوری مسلم قوم اس مسئلے میں کانفرنس کا ساتھ دے گی۔ میں فی الحال حسبِ ذیل تجاویز عربی تعلیم یافتوں کے لیے پیش کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں:

1۔ کچھ کچھ معتدبہ (قابل شمار) وظائف ان طلبا کے لیے مقرر کیے جائیں، جو عربی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد انگریزی پڑھنا چاہیں۔ اور علیٰ ہٰذا القیاس (اسی طرح) انگریزی مدارس کے اُن فارغ شدہ طلبا کے لیے بھی، جو عربی پڑھنا چاہیں، ان کے لیے بھی وہ وظائف امدادیہ جاری کیے جائیں۔

2۔ جس طرح مولوی فاضل وغیرہ کے سند یافتہ صرف زبانِ انگریزی میں گورنمنٹ

(سرکاری) امتحانات میں شرکت حاصل کرکے کامیابی حاصل کرسکتے ہیں، اسی طرح مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) اپنے یہاں ایسے قوانین بنائے، جن کی رو سے عربی مدارس کے فارغ شدہ طلبا صرف زبانِ انگریزی کے امتحان میں شامل ہوسکیں۔ ان کے لیے تعلیم کا مستند انتظام کیا جائے کہ ایف اے کے بعد وہ بی اے کا امتحان دے سکیں۔

3۔ عربی مدارس کے طلبا کے لیے ریلوے وغیرہ سے وہ تمام مراعات ملنی چاہئیں، جو انگریزی مدارس کے طلبا یا ایڈگرفتہ (امدادیافتہ) مدارس کے طلبا کو ملتی ہیں۔ (مسلم) ایجوکیشنل کانفرنس مستند مدارسِ عربیہ کی ایک فہرست تیار کرے، جس کو گورنمنٹ بھی تسلیم کرے۔

4۔ قانون کے امتحانوں میں انگریزی زبان دانی کی شرط نہ رکھی جائے۔ امتحانات ملکی زبانوں میں ہوں۔ علمی استعداد شرط کی جائے، مگر حسبِ مراتب (ترتیب) جن امتحانوں کے لیے میٹرک، انڈر گریجویٹ، یا گریجویٹ کی شرط ہے، وہ رکھی جائے اور اُسی درجے کے عربی استادوں کو بھی کافی سمجھا جائے۔ عربی نصاب میں اس کے لیے مدارج (درجے) قائم ہوسکتے ہیں اور بعض ضروری چیزوں کا نصاب میں اضافہ بھی ہوسکتا ہے۔

5۔ کورٹ (عدالت) کی لینگویج (زبان) بدل دی جائے۔ اگر فوراً ہائی کورٹ کی زبان بدلی نہ جاسکے تو وہ انگریزی ہی رہنے دی جائے، لیکن دوسرے تمام کورٹوں (عدالتوں) کی زبان لازمی طور پر بدل دی جائے۔

6۔ رجسٹریشن ڈیپارٹمنٹ میں عربی کی اسناد کو بھی ملازمت کے لیے کافی سمجھا جائے۔

7۔ اوقاف کے تمام ذمہ دار عہدوں کے لیے عربی اور مذہبی تعلیم کی تکمیل کو ضروری سمجھا جائے اور شرط کردی جائے۔

8۔ محکمہ منصفی اور ججی (شعبہ عدالت) کے لیے جس میں اکثر قضائے شرعی اور تقسیم وراثت وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے، مذہبی تعلیم کی سند ضروری قرار دی جائے۔

www.rahimia.org

9۔ مسلمانوں کو محکمہ قضا (عدالت) حسبِ طلب عطا کیا جائے، جس کا مطالبہ عرصۂ دراز سے مسلمان کررہے ہیں۔

10۔ آرٹ اور صنعت کی تعلیم میں عربی تعلیم کے سند یافتوں کو شرکت کا موقع دیا جائے۔

11۔ محکمہ ہائے انہار، زراعت، تجارت کی تعلیمات میں عربی تعلیم یافتوں کو شریک کیا جائے۔

12۔ یونیورسٹیوں کے وہ طلبا، جو عربی پڑھتے ہیں، تھوڑے تھوڑے دنوں کے لیے کسی عربی دینی مدرسے میں جاکر قیام کیا کریں اور عربی کی اعلیٰ تعلیم سے استفادہ کریں۔

اختتامیہ

محترم حضرات! میں نہایت عدیم الفرصت اور بہت ہی کم مایہ ہوں۔ بہت کم فرصت میں نہایت جلدی کے ساتھ قلم بند کرکے اپنے مختلف پریشان خیالات کو آپ حضرات کی بارگاہ میں پیش کررہا ہوں اور امیدوار ہوں کہ اپنی نظرِ عفو وکرم کو کام میں لا کر اگر کوئی چیز خلافِ رائے یا باعثِ تکدُّر رہوئی ہو، اس سے سماح (درگزر) فرمائیں گے۔

آخر میں، مَیں پھر آپ حضرات کی عنایات بے غایات (بے انتہا مہربانیوں) کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ میری عرائض (معروضات) کو اپنی توجہاتِ مربیانہ اور الطاف ہائے بے کرانہ (لامتناہی شفقتوں) سے نوازیں گے۔

والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ   خادم العلوم بہ دارالعلوم دیوبند

☆

www.rahimia.org

حوالہ جات وحواشی

1. القرآن،۲:۴۳۔ 2. القرآن،۸:۶۰۔ 3. القرآن،۳۳:۴۱۔

4. القرآن،۴۹:۱۰۔ 5. القرآن،۴۹:۱۰

6. عصر جدید، 18/اگست 1929ء / (Sir Thomas Carlyle, Heroes and Hero Worship)

7. حکومت خود اختیاری۔ 8. اخبار ''سچ''، لکھنؤ، 24/جنوری 1930ء

9. حکومت خود اختیاری

10. روزنامہ ''انقلاب''، 29/جولائی 1928ء

11. سید امیر علی، تنقید الکلام

12. معجزہ قرآن مجید، ص۔163

13. معجزہ قرآن مجید، ص۔127

14. مدینہ بجنور، 28/جنوری 1936ء

15. دیکھو حکومت خود اختیاری

16. ایضاً۔ 17. ایضاً۔ 18. پراسپریس برٹش انڈیا

19. اَن ہیپی انڈیا Unhappy India by Lala Lajpat Rai، ص:399

20. حکومتِ خود اختیاری۔ ص:55،56

21. حکومتِ خود اختیاری، ص:93

22. حکومتِ خود اختیاری۔ ص:38

23. ایچ ایم ہنڈمین، بینک کراپٹ سی آف انڈیا۔ ص:152

24. ان ہپی انڈیا۔ ص:334

☆☆☆☆☆

www.rahimia.org